فکری اور معنوی مالکیت (کاپی رائٹ)
(ایک فقہی تحقیق)

فرہنگ طہماسبی[1]
مترجم: سید حسنین عباس گردیزی [*2]
hasnain.gardezi@gmail.com

کلیدی کلمات: ادبی و ہنری مالکیت، تجارتی، صنعتی مالکیت، فکری و معنوی مالکیت

خلاصہ

موجودہ مقالہ فکری یا معنوی ملکیت کے بارے میں ایک تحقیق ہے۔اس قسم کی ملکیت پر عام طور پر دو لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے مختلف نمونے ہیں جس میں سے ایک ادبی و ہنری ملکیت، اور دوسری صنعتی اور تجارتی ملکیت۔ اس مقالے میں کلی طور پر فکری و علمی ملکیت مد نظر ہے اور اس عنوان کے تحت زیادہ تر ادبی اور ہنری ملکیت یعنی حق نشر (Copy Right) پر بحث کی گئی ہے۔ مجموعی طور پر مقالے میں اس موضوع کا تاریخی پس منظر، فقہی اور قانونی نظریات پر توجہ دی گئی ہے۔ مغربی دنیا میں اس موضوع کے وسیع پہلوؤں پر توجہ دی گئی ہے۔ زیر بحث مسئلہ متقدمین کی فقہی کتب میں بالکل ذکر نہیں ہوا ہے اور سب متاخرین نے بھی اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی ہے۔ اس لئے ضروری ہے استدلالات کو مضبوط بنانے کے لئے چند بنیادی اور کلیدی اصطلاحات کو بیان کیا گیا ہے جن میں حق، مال، ملکیت، معنوی یا فکری حق جیسی اصطلاحات شامل ہیں۔ اس کے بعد ان حقوق کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں اور پھر ان کی اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔

تمہید

موجودہ مقالہ فکری یا معنوی ملکیت کے بارے میں ایک تحقیق ہے اس قسم کی ملکیت پر عام طور پر دو لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے مختلف نمونے ہیں۔

۱۔ ادبی و ہنری ملکیت، جو کہ صوتی (آڈیو) تصویری (ویڈیو) اور مکتوب و غیر مکتوب صورت میں ہو۔

۲۔ صنعتی اور تجارتی ملکیت۔ جس میں تجارتی کمپنیوں اور اداروں کے نام، ان کے ٹریڈ مارک صنعتی ڈائزین، فنی ٹیکنیشین اور پیداواری فارمولے وغیرہ شامل ہیں۔

دور حاضر میں حقوق (Rights) کے باب میں بطور مختصر ہی سہی مگر بڑے دقیق انداز میں ان کی جزئیات کو بیان کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر ایک جداگانہ تحقیقی مقالے کا عنوان بن سکتا ہے۔ اس مقالے میں کلی طور پر فکری و علمی ملکیت مدّ نظر ہے اور اس عنوان کے تحت زیادہ تر ادبی اور ہنری ملکیت یعنی حق ناشر (Copy Right) پر بحث کی گئی ہے۔ مجموعی طور پر مقالے میں اس موضوع کا تاریخی پس منظر، فقہی اور قانونی نظریات پر توجہ دی گئی ہے۔ مغربی دنیا میں اس موضوع کے وسیع پہلوؤں پر توجہ دی گئی ہے۔

1۔ فاضل ایرانی ریسرچ اسکالر۔

2*۔ مدرس جامعۃ الرضا، مدیر اعلیٰ مجلّہ نور معرفت، بارہ کہو، اسلام آباد

سابقہ: خلقت کی ابتداء سے ہی انسان اپنی فطرت اور مزاج کی بناء پر اپنی تھوڑی یا زیادہ محنت اور کوشش کی اہمیت کا قائل تھا اور جو کچھ وہ حاصل کرتا تھا وہ اپنے تصرف میں لاتا تھا اور دوسروں کو اس میں تصرف سے روکتا تھا۔ اس طرح سے یہ انسانی جبلت ذاتی ثروت و جمع پونجی اور اس سے متعلق احساس کے وجود میں آنے کا سبب بنی۔ یہ احساس فقط اس کے مادی اثاثوں تک محدود نہ تھا، بلکہ انسان نے جو اشعار کہے، جو مصوری اور نقاشی کی یا جو کچھ اس نے تحریر کیا، سب سے اس کا تعلق تھا۔ بعض افراد کے نظریے کے مطابق جب سے انسان نے قلم ہاتھ میں لینا سیکھا ہے، اس وقت سے اس میں یہ احساس اور جذبہ موجود تھا۔ اس بارے میں قدیم زمانے کے متعدد نمونے موجود ہیں؛ بطور مثال: افلاطون کے شاگرد ہوموڈور نے اپنے استاد سے استفادہ کرنے کے بعد اپنی یادداشت اور نوٹس کو سیسیل لے جاکر فروخت کردیا۔ یہ عمل افلاطون کی اجازت کے بغیر انجام دیا گیا۔ لہٰذا یہ نہ صرف اہل علم و ادب کی طرف سے قابل مذمت قرار پایا، بلکہ لوگوں کے غم و غصے کا بھی باعث

بھی

بنا۔(1)

یورپ میں یہ بحث و گفتگو نشأۃ ثانیہ (Renaissance) کے دور میں اُس فکری صنعتی انقلاب کے ساتھ شروع ہو گئی تھی جو خصوصی طور پر پرنٹنگ کی صنعت میں آیا تھا اور پہلی بار تحریروں کی حمایت کے آثار ہمیں ان مراعات میں تلاش کرنے چاہیں جو یورپی حکمرانوں نے سولہویں (16) صدی عیسوی میں ناشرین اور کتب فروشوں کو دیں۔ جو ناشرین اور چھاپہ خانوں کے مالکین کی طرف سے مؤلفین کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کا ذریعہ بن گئیں۔ یہ صورتحال یورپ میں دو صدیوں تک جاری رہی یہاں تک کہ 1709ء میں پہلی بار انگلستان میں ملکہ نے ایک قانون پاس کیا جس میں مؤلفین اور مصنفین کے حقوق کو تسلیم کیا گیا۔ اسی صدی کے اوائل میں فرانس میں بھی اسی طرح کا قانون منظور ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ دیگر یورپی ممالک، لاطینی امریکہ اور ایشیا میں بھی اس طرح کے قوانین پاس کیے گئے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں ذرائع ابلاغ میں وسعت اور علوم و فنون میں ترقی کی وجہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قومی قوانین جامع اور کامل ہونے کے باوجود مؤلفین اور مخترعین کے معنوی اور فکری حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ملکی سرحدوں سے باہر سوء استفادہ کرنے والے افراد مختلف ذرائع ابلاغ سے ادبی، فنی اور صنعتی چوری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس بارے دو طرفہ اور چند طرفہ اور آخرکار بین الاقوامی سطح پر صنعتی ملکیت اور مخترعین کے حقوق پر توجہ دی گئی اور صنعتی ملکیت (Industrial Property) کی حمایت میں 1883ء میں پیرس میں (Paris Convention for the Protection of Industrial Property) منعقد ہوئی۔ 1996ء میں اس کے اراکین کی تعداد 140 تھی۔ اسی طرح ادب و فنون کو وجود میں لانے والے مؤلفین اور فنکاروں کے حقوق کے بارے میں سوئٹزرلینڈ میں 1886ء میں کنونشن کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ (Bern Convention for the Protection of Literary and Artistic work)۔ 1893ء میں مذکورہ دو بین الاقوامی کنونشن کے دفاتر کو آپس میں ادغام کر دیا گیا اس طرح فکری ملکیت (Intellectual Property) ادارے کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

اسلامی تہذیب و تمدن کی تاریخ میں تعلیم و تعلم اور پڑھنا لکھنا، ایمان اور عقیدے کے تحت لازمی قرار پایا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی نبوت کے آغاز میں ہی دعوت علم کو ایک قابل قدر چیز قرار دیا۔ البتہ عالم اسلام میں خاص طور پر کتاب کی پیدائش کا کتابت حدیث سے گہرا تعلق ہے۔ جو کہ شریعت کی نظر میں بہت عظیم ذمہ داری تھی اور اس کا معتبر ہونا نقل کرنے والے کی دیانتداری سے وابستہ تھا۔ لہٰذا ہر کسی سے ہر کتاب قابل قبول نہ تھی، بلکہ اس میں مؤلف کی شخصیت کا اہم کردار تھا۔

دوسری صدی کے آخر میں جب علوم و فنون کے ترجمے کے تحریک وجود میں آئی جس کے ذریعے یونان، روم، ایران، ہندوستان اور دیگر مفتوحہ ممالک کے عقلی اور دیگر علوم پر مشتمل کتابوں کے عربی زبان میں ترجمے کیے گئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تالیف، کتابت، نقل نویسی اور تذہیب (طلائی ملمع کے کام) ترقی یافتہ اور بہت زیادہ آمدنی والے پیشوں میں بدل گئے۔ اس طرح نقل نویسی (کسی کتاب کی نقول تیار کرنا) کے وقت تحریف، جعل اور

دوسروں کے ترجمے کو اپنے نام سے لکھنے کی راہ ہموار ہو گئی۔ لیکن حکومت کی طرف سے مترجمین کی حمایت اور ملک کے مختلف حصوں میں کتابوں کی نقول بھیجنے کے لئے بہت سارے نسخہ برداروں کے حکومت کی خدمت میں ہونے کی وجہ سے یہ بات کافی حد تک زیر کنٹرول رہی اور ایسے واقعات بہت کم رونما ہوئے۔

دوسری طرف اس عقیدے کی بناپر کہ دینی علوم و فنون کو پھیلانا ایک شرعی فریضہ ہے، اکثر مترجمین اور مؤلفین اُس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو یا تو اہمیت نہیں دیتے تھے یا پھر حکومت کی طرف سے جو وظیفہ ملتا تھا اسی پر قناعت کر لیتے تھے اور اپنی تالیف یا ترجمے کے حق کو اپنے لئے محفوظ سمجھتے تھے اور بعض افراد تو اسے صراحت سے بیان کرتے تھے۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے نامور اور مشہور مؤرخ علی بن حسین مسعودی اپنی کتاب "مروج الذہب والمعادن الجواہر" کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

"جو شخص میری کتاب کے کسی حرف کو تبدیل کرے یا اس کے کسی حصے کو حذف کرے یا واضح اور معلوم نکتے کو مٹادے یا کسی کے حالات زندگی کو تبدیل کرے اور بالکل بدل دے یا اپنی طرف سے اس میں کچھ داخل کر دے یا میری تالیف کو کسی اور کی طرف منسوب کرے یا میرے کام میں کسی اور کو شریک کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا غضب نازل فرمائے۔" (2)

ایران میں ادبی ملکیت کا سب سے پہلا معاہدہ 1309 ہجری شمسی میں ایران اور جرمنی کے درمیان طے پایا۔ اس کا پہلا قانونی اثر فصل نمبر 11 قانون سزا میں ذریعہ معاش میں دھوکا دہی اور جعل سازی کے باب میں بل نمبر 1310 کی صورت میں سامنے آیا۔ اسی طرح 1348 ہجری شمسی میں مولفین، مصنفین اور فنکاروں کے حقوق کی حمایت کا قانون منظور ہوا۔ پھر 1352 شمسی میں ترجمہ کتب کی اشاعت اور نشریات کے حقوق کا قانون مجلس شوریٰ ملی (قومی اسمبلی) سے پاس ہوا اور 1337 شمسی میں صنعتی ملکیت کے حوالے سے ایران پیرس کنونشن سے وابستہ ہو گیا۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد مؤلفین اور مخترعین کے حقوق کا مسئلہ پیچیدہ بحث کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کی وجہ تحریر الوسیلہ میں امام خمینیؒ کا وہ فتویٰ تھا جس میں کہا گیا تھا کہ شریعت میں اس قسم کے حقوق ثابت نہیں ہیں۔ محکمہ عدالت کے بعض قاضی صاحبان پہلے سے موجود قوانین کی بناء پر اس قسم کے معاملات میں ان کے حقوق کے ثابت ہونے کا حکم دیتے تھے اور بعض دوسرے امام خمینیؒ کے فتویٰ کی بنیاد پر ایسے حقوق کے عدم ثبوت کا فیصلہ دیتے تھے۔ اس طرح معنوی ملکیت (ادبی، فنی اور صنعتی حقوق) ایک جدید مسئلہ کے عنوان سے حکومت اور فقہا کی توجہ کا مرکز بن گئی۔

فقہی بحث میں وارد ہونے سے پہلے اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ زیر بحث مسئلہ متقدمین کی فقہی کتب میں بالکل ذکر نہیں ہوا اور سب متاخرین نے بھی اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی۔ اس لئے ضروری ہے استدلالات کو مضبوط بنانے کے لئے چند بنیادی اور کلیدی اصطلاحات کو بیان کیا جائے۔

حق (Right): اس کا لغوی معنی ثبوت ہے اور اصطلاح میں کسی عمل کو انجام دینے کے لئے قانون جو قدرت و طاقت افراد کو دیتا ہے اُسے حق کہتے ہیں۔ لہٰذا عمل کی آزادی حق کا بنیادی رکن ہے۔ اس کے برعکس، ہر حق ایک ذمہ داری اور مسؤلیت کو وجود میں لاتا ہے۔ مثلاً ملکیت کے مسئلہ میں مالک کو حق ملکیت حاصل ہے، دیگر افراد اس کے سامنے مکلّف اور ذمہ دار ہیں۔ (3)

ایک اعتبار سے حق کی دو قسمیں ہیں: مادی حق اور معنوی حق۔

اگر وہ چیز جو کسی کا حق ہے، مادی ہو یا مادی چیزوں کے فوائد میں سے کوئی فائدہ ہو، یا ان سے استفادہ کرنے (انتفاع) سے مربوط حق ہو، ان تمام صورتوں میں حق، مادی حق کہلاتا ہے اور اس کے علاوہ باقی حقوق کو معنوی حق کہا جاتا ہے۔ یہ تمام حقوق شرعی ہیں ان کے شرعی نہ ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے نہ کہ شرعی ہونے کے لئے۔ (4)

مال: قاموس اللغۃ میں اس کی یوں تعریف کی گئی ہے: المال ما ملکتہ من کل شیئ (5) یعنی: مال سے مراد ہر وہ چیز ہے جو کسی کی ملکیت ہو۔اصطلاح میں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو قیمت رکھتی ہو اور عوض قرار پا سکتی ہو۔اصولی طور پر ہر چیز کی ملکیت اس کے مفید ہونے پر منحصر ہے۔اس کا مادی ہونا شرط نہیں ہے۔پس ملکیت کا معیار اور پیمانہ یہ ہے کہ عقلا اس کے برابر عوض اور قیمت قرار دیتے ہوں۔

مالکیت: فقہ میں ملک کا مطلب قانونی قدرت اور تسلط ہے اور ملکیت صنعتی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے (6) جو کہ حقیقت میں اعتبار عقلائی ہے یعنی جسے عقلاء معتبر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی چیز کسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ اس سے تعلق رکھتی ہو تو عقلاء اس کے اور اس کے ہاتھ میں جو چیز ہے، کے درمیان ایک تعلق اور رابطے کو معتبر سمجھتے ہیں اور یہ رابطہ اور تعلق اس چیز پر اس کے تسلط اور قبضے کا موجب بنتا ہے۔(7) بعض فقہا قبضے اور تسلط کے حق کو ملکیت کے احکام میں سے ایک قرار دیتے ہیں۔

معنوی یا فکری حق: یہ مادی، عینی اور ذمی حق کے علاوہ ایک قانونی اور غیر مادی (8) خصوصیت ہے جو مؤلف اور موجد کو حاصل ہوتی ہے اور اس کی حمایت اور فائدہ کے لئے ہوتی ہے۔(9) جو اس شخص کو اپنی فکری فعالیت اور ابتکار و ایجاد (Innovation) سے استفادے کا خصوصی بلاشرکت غیر اختیار دیتا ہے۔(10)

فکری و معنوی ملکیت

اس تمہید کے بعد اب ہم اصل بحث شروع کرتے ہیں: کوئی شخص ایک کتاب تالیف کرتا ہے یا کسی موضوع پر قلم فرسائی کرتا ہے یا کسی کتاب کا ترجمہ یا تصحیح کرتا ہے یا کوئی سافٹ ویئر بناتا ہے یا کسی سائنسی یا عقلی مسئلہ میں کوئی تحقیقی خاکہ یا منصوبہ تیار کرتا ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سب انسان ان امور کا احترام کرتے ہیں اور ان کاموں کو کرنے والا بطور مسلم اپنے کام کے بدلے میں اپنا عوض دریافت کرسکتا ہے۔اختلاف وہاں پیدا ہوتا ہے جب تألیف اور اشاعت کے حق (کاپی رائٹ) کی بات درمیان میں آتی ہے۔ کیونکہ عامل یہ سمجھتا ہے کہ مذکورہ کام اس کی فکری کوشش کا نتیجہ ہے لہٰذا اس کی اشاعت یا عدم اشاعت یا اشاعت اور چھاپ کے طریقہ کار یا کتنی دفعہ اشاعت ہو اس بارے میں صرف وہی فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ پس اُسے یہ حق حاصل ہے کہ ان میں سے کوئی بھی چیز کسی دوسرے کے سپرد کرنے کے بدلے میں قیمت یا عوض وصول کرسکتا ہے۔ امام خمینیؒ تحریر الوسیلہ میں جدید مسائل کے باب میں زیر بحث مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لوگوں کے درمیان جو حق ناشر کے عنوان سے مشہور ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور کسی قید اور شرط کے بغیر لوگوں کا اپنے اموال پر تسلط اور قبضہ کا زائل ہونا جائز نہیں ہے اور صرف "جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں" کا جملہ لکھنے سے کوئی حق پیدا نہیں ہوتا اور اس سے دوسروں پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ پس دوسرے لوگ اسے چھاپ اور کاپی کرسکتے ہیں اور کوئی انہیں اس عمل سے منع نہیں کرسکتا۔ نیز یہ جو ایجاد کرنے والوں کے لئے "ثبت اختراع" مشہور ہے اور دوسروں کے لئے اس کی کاپی کرنا اور اس اختراع اور ایجاد کی پروڈکشن کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور لوگوں کو اس کی کاپیاں کرنے، خرید و فروخت کرنے اور اس سے کمائی کرنے سے نہیں روکا جاسکتا۔ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو اپنے اموال پر تسلط و کنٹرول سے منع کرے۔اسی طرح یہ جو مشہور ہے کہ "ایک جنس یا کئی اجناس کی تجارت کا کسی خاص کمپنی، ادارہ یا چند تاجروں سے مخصوص ہونے یا اس قسم کی دوسری اشیاء کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے لہٰذا دوسروں کو حلال تجارت اور صنعت سے روکنا اور اُسے چند افراد میں منحصر کر دینا جائز نہیں ہے۔اسی طرح اجناس کی قیمت مقرر کرنا اور اس سے زیادہ قیمت پر فروخت کرنے پر پابندی لگانا بھی جائز نہیں ہے۔البتہ مسلمانوں کے والی اور امام کو یہ اختیار ہے کہ مسلمانوں کے

امور میں مصلحت کے پیش نظر اجناس کی قیمتیں مقرر کر سکتا ہے، صنعت و تجارت کو چند افراد سے مخصوص اور منحصر قرار دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی معاشرے کے نظم و انضباط اور مصلحت میں ہو اُسے انجام دے سکتا ہے۔" (11)[3]

آیت اللہ صافی گلپایگانی اپنی رائے اس طرح بیان کرتے ہیں: حق طبع (اشاعت) حق تألیف اور حق اختراع جیسے مفاہیم اور اصطلاحات جن کی جدید بنائے گئے قوانین میں تعریف کی گئی ہے، کو میں اسلامی احکام پر تطبیق نہیں دے سکا ہوں اور یہ امور "معاملات" میں سے بھی نہیں ہیں کہ "اوفوبالعقود" جیسی عمومی ادلہ سے استدلال اور تمسک کیا جاسکے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ ایک عرفی حق ہے (لوگوں کے درمیان رائج اور عام ہے) جیسے حق تحجیر اور حق السبق عرفی حقوق ہیں۔ ان سے شارع مقدس نے منع نہیں فرمایا جس سے شارع کی رضا منکشف ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شارع کی عدم ممنوعیت صرف ان عرفی حقوق کے بارے میں شرعی ہونے کی سند اور دلیل بن سکتی ہے جو شارع کے دور میں متعارف تھے، لیکن اس سے ادلہ لفظیہ اطلاق اور عموم کی طرح کا استفادہ نہیں ہو سکتا۔ شارع مقدس کے زمانے میں بھی تألیف، تخلیق ایجاد اور دریافت تھی، لیکن موئف، محقق، موجد اور مخترع کے لئے کوئی حق محسوب نہیں ہوتا تھا اور شارع نے بھی اُسے معتبر نہیں سمجھا۔ دوسرے الفاظ میں "عدم اعتبار" پر بنا تھی خواہ اس معنی میں ہی کیوں نہ تھی کہ اس مسئلہ کی طرف توجہ اور التفات نہیں تھی اور اس پر مترتب ہونے والے حقوق کی کوئی معاشرتی حیثیت نہیں تھی اور شارع مقدس نے بھی عرف کی عدم تشریع کی روش کو برقرار رکھا۔ پس مذکورہ باتوں کی روشنی میں ذکر شدہ حقوق کی مشروعیت ثابت نہیں ہوتی۔ اگرچہ ان حقوق پر مترتب ہونے والے چند احکام اور اثرات کو عقد (شرعی معاملہ اور معاہدہ) کے ضمن میں حاصل کیا جاسکتا ہے، لیکن وہ اہم مقاصد جن کا دعویٰ ان حقوق کے مدعیان کرتے ہیں صرف شرط کرنے سے پورے نہیں ہوتے۔ ان میں بعض صحیح اغراض و مقاصد جو ان حقوق کے ثابت کرنے میں مدِّ نظر ہیں، کے حصول کا راستہ یہ ہے کہ جامع الشرائط فقیہ اپنی ولایت کے بل بوتے پر عمومی مفادات اور مصلحتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے ہر تخلیق یا اشاعت یا تألیف اور نشر و اشاعت یا اس تخلیق کی کاپی کرنے یا اس تالیف کو چھاپنے کو الگ الگ دیکھے اُسے معین مدت تک محدود کرے یا پابندی لگائے۔ بدیہی ہے کہ اس سے "حقوق" میں مدِّ نظر مقاصد پورے نہیں ہوتے، بلکہ یہ عام مشاغل میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہ سب ولایت فقیہ کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ (12)

آیت اللہ شہید مطہری کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صنعتی مالکیت بالخصوص ایجادات اور تخلیقات کے حوالے سے اشتراکی مالکیت کے قائل نظر آتے ہیں۔ اپنے نظریے کی وہ یوں وضاحت کرتے ہیں:

> "پیداواری مشینریز معاشرے کی ترقی کا مظہر ہیں اور ان کی پیداوار کو سرمایہ کی غیر مستقیم پیداوار حساب نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ موجد کے شعور و علم اور اعلیٰ ذہانت کی بالواسطہ پیداوار ہے اور شعور و علم اور اعلیٰ ذہانت کے ماحصل کا کوئی ایک شخص مالک نہیں ہو سکتا۔ اس کا تعلق اشخاص سے نہیں ہو سکتا بلکہ خاص موارد میں یہ مالکیت اشتراکی ہے جو یہ تقاضا کرتی ہے کہ مذکورہ موارد میں بھی مشترکہ اور اجتماعی ملکیت ہو نہ کہ انفرادی ملکیت۔" (13)

اس بناء پر موجد اور مخترع کا حق وہی معاوضہ ہے نہ کہ دیگر اموال کی طرح ایجاد اور تخلیق کی ملکیت اس کا حق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس چیز کو اکیلا یہ شخص وجود میں نہیں لایا بلکہ طبیعت اُسے وجود میں لائی ہے یا معاشرہ سبب بنا ہے نیز یہ دو عوامل بھی کسی خاص شخص کے لئے ان کو وجود میں نہیں لائے یعنی اس ایجاد سے ایک فرد کا نہ تو فاعلی تعلق ہے اور نہ ہی اس سے غائی رابطہ ہے۔ (14)

---

[3] ۔ مؤلف نے امام خمینی کی جس کتاب کا حوالہ دیا ہے، اس میں یہ بحث موجود نہیں ہے۔ لیکن اس فتویٰ کا امام خمینی کی طرف اسناد ظاہراً درست ہے جیسا کہ بعد میں حضرت آیۃ اللہ فاضل لنکرانی کے بیانات کے ضمن میں بھی امام خمینی کی طرف اس فتوی کو منسوب کیا گیا ہے۔ تاہم ہمیں امام کے فتویٰ کا حوالہ میسر نہیں آ سکا۔ (مترجم)

آیت اللہ سید محمد صادق روحانی کا نظریہ ہے کہ مالکیت حقوقی کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرد کا ایسی چیز پر کنٹرول اور قبضہ جسے معاشرے کی ضرورت کے اعتبار سے عقلاء نے حقیقی (انفرادی) اور حقوقی (قانونی) اشخاص کے لئے معتبر قرار دیا ہے۔ لہٰذا جو بھی شخص کوئی بھی تالیف یا تصنیف کرتا ہے کیونکہ یہ اس کے فکری کام کا نتیجہ ہے لہٰذا وہ اس کا مالک اور صاحب اختیار ہے البتہ اس کی ملکیت مطلق نہیں ہے اور اس سے معنوی استفادہ اور تصرفات کی حرمت اور ان کے ممنوع ہونے پر دلیل نہیں ہے جو چیز جائز نہیں ہے وہ موئف مصنف کی اجازت کے بغیر اس کی کاپی کرنا اور شائع کرنا ہے، ایسی صورت میں مؤلف مصنف اپنے حق کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ (15)

بعض دیگر افراد اس طرح کی مالکیت (فکری اور معنوی مالکیت) پر اس دلیل کی بناء پر اعتراض کرتے ہیں کہ معنوی حقوق کو قانونی شکل دینے کا اثر یہ ہوگا کہ ادبی، ثقافتی اور علمی شاہکار اور فن پارے تخلیق کرنے والے پیسوں کے بغیر معاشرے کے حوالے نہیں کریں گے۔ اس طرح معاشرے کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ مثلاً بجلی کی طرح کوئی چیز ایجاد ہوتی ہے اور اس کا موجد اُسے بہت زیادہ قیمت کے عوض دینا کے حوالے کرنا چاہے تو ظاہر ہے کہ معاشرے کا ایک بہت بڑا حصہ اس سے استفادہ اور بہرہ مند ہونے کی طاقت و توانائی نہیں رکھتا، نتیجہ کے طور پر امیر اور غریب کے درمیان فرق روز بروز بڑھتا چلا جائے گا اور اس بات پر شارع مقدس ہرگز راضی نہیں ہوگا اور درج ذیل آیت کے مصداق قرار پائیں گے:

"إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَـٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (16)"

ترجمہ: "بیشک جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے (اپنی) کتاب میں واضح کردیا ہے تو انہی لوگوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے (یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کرتا ہے) اور لعنت بھیجنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے: جو شخص بھی کسی چیز کا علم رکھتا ہو اور وہ اُسے چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام ڈال کر اُسے لایا جائے گا۔ (17)

یہ تھے حقوق معنوی کی مشروعیت کے مخالفین یا اس نظریے پر اعتراض اور تنقید کرنے والوں کے نظریات اور آراء جنہیں اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہاں پر مذکورہ بالا آراء میں سے ہر ایک کے جواب دینے کی بجائے مذکورہ حقوق کی شرعی حیثیت (مشروعیت) کی بنیادوں (مبانی) کو بیان کیا جائے اور مندرجہ بالا اعتراضات کے جواب خود بابصیرت قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔

الف: عقل کا حکم اور بنائے عقلاء

بعض افراد کی رائے کے مطابق پوری تاریخ میں مالکیت کا سرچشمہ "طاقت" رہا ہے، قدرت و طاقت اور زور "مالکیت" کی پیدائش کا باعث بنی ہے لیکن اگر ہم عقل سلیم کی طرف رجوع کریں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زور و طاقت کے مالکیت ایجاد کرنے سے پہلے فطرت اور ضمیر اس کو ناقابل انکار امر سمجھتا ہے۔ (18) اس بنا پر مالکیت کی بنیاد فطرت انسانی میں موجود ہے اور عقلاء عقلی تقاضوں کی بنا پر اسے معتبر قرار دیتے ہیں۔ باالفاظ دیگر مالکیت مادی دنیا (علم مادہ) میں وجود نہیں رکھتی بلکہ ایک شخص کی کسی شئی سے نسبت اور منسوب ہونا، ملکیت ہے اور وہ چیز جس سے شخص کی نسبت قرار پائی ہے اس لحاظ سے وہ مملوک کہلاتی ہے۔

بنابریں ملکیت عالم حقیقت کی بجائے عالم اعتبار میں موجود ہے کبھی وہ ایک عینی چیز ہوتی ہے اور اُسے مادی مالکیت کہتے ہیں اور کبھی اس کا تعلق ذہنی دنیا سے ہوتا ہے اور وہ فکری انسانی کی پیداوار ہوتی ہے اُسے معنوی یا فکری ملکیت کہتے ہیں۔ (19)

فکری اور معنوی حقوق کے بارے میں عقلاء کی روش یہی رہی ہے کہ اس کی قدر قیمت اور حیثیت کو انہوں نے معتبر سمجھا ہے آج دنیا کے تمام قانونی نظاموں میں اور تمام عقلانی معاشروں میں یہ مسئلہ ایسے حقوق میں شمار ہوتا ہے جو قابل اہمیت ہے اور یہ صاحب حق سے مخصوص ہے اس طرح سے کہ اس کے علاوہ کوئی اس سے استفادہ کرنے کا حق نہیں رکھتا اور اگر کوئی اس کی اجازت کے بغیر اس سے استفادہ کرے تو عرف کی نظر میں اس نے غلط کام اور ناپسندیدہ عمل انجام دیا ہے اور وہ سزا کا مستحق ہے۔(20)

عقلی دلیل بھی اسی سیرت عقلاء سے حاصل ہوتی ہے جس پر عرف عمل کرتا ہے وہ سیرت عقلاء بن جاتی ہے۔ یہاں پر اس غلط فہمی کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ عرف اور عقل کے حکم میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل کے حکم کے مقابلے میں عرف کا کسی قسم کا کوئی حکم نہیں ہے بلکہ یہ عقلی حکم کا ایک نمونہ اور درجہ ہے، عرف سے مراد وہی عقلاء کا عرف ہے۔(21) لہٰذا بعض فقہاء نے فتویٰ دیا ہے کہ ہر وہ کام یا عمل جو عرف اور عقلاء کے نزدیک استحقاق ایجاد کرتا ہے اس کی پابندی کرنا لازم ہے اور اس کو پائمال کرنا ظلم ہے اور شرعی لحاظ سے حرام ہے۔(22)

آیت اللہ فاضل لنکرانی مرحوم نے مؤلف/مصنف کے حقوق کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں مرقوم کیا ہے: اگرچہ امام خمینیؒ نے ان حقوق کے شرعی ہونے کی نفی کی ہے، لیکن حقیر کی رائے یہ ہے کہ وہ حقوق جنہیں عقلاء حق سمجھتے اور گردانتے ہیں اور ان پر احکام بھی مترتب کرتے ہیں، جب تک ان کے حق ہونے کی نفی پر دلیل شرعی قائم نہ ہو ان کی نفی نہیں کی جاسکتی اور ان پر مترتب ہونے والے اثرات سے منع نہیں کیا جاسکتا اور "الناس مسلطون علی اموالهم" جیسی ادلہ ان کے حق ہونے کی نفی کی دلیل نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ ملکیت کے باب میں ضروری نہیں کہ اس کے ثبوت پر دلیل قائم ہو، بلکہ صرف عدم ملکیت پر دلیل کا ثابت نہ ہونا ہی شرعی لحاظ سے ثبوت کے لئے کافی ہے اسی طرح عقلاء ہیں۔(23)

آیت اللہ مکارم شیرازی نے ایک استفتاء کے جواب میں یوں کہا ہے: ہمارا نظریہ ہے کہ حق تالیف، اشاعت اور تخلیق اور اس جیسے دیگر حقوق، ایک شرعی اور قانونی حق ہے، اسلامی نکتہ نگاہ سے اس کا احترام کرنا چاہیے۔ اس بارے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ ہم ہمیشہ موضوعات کو عرف سے لیتے ہیں اور احکام کو شریعت سے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں جواء حرام ہے، لفظ حرام قرآن اور احادیث سے لیا گیا ہے، لیکن عنوان جواء کیا ہے؟ اس کی تشخیص عرف پر موقوف ہے۔ فکری ملکیتوں کے بارے میں بھی مسئلہ یونہی ہے۔ اسلام کہتا ہے دوسروں پر ظلم و ستم اور ان کے حقوق، غصب یا پائمال کرنا حرام ہے۔ یہ حکم اسلام سے لیا گیا ہے لیکن موضوع اور عنوان یعنی ظلم و ستم اور حقوق کی پائمالی عرف سے لیا گیا عنوان ہے اور آج کی دنیا میں تقریباً تمام دنیا کے عقلاء نے اس موضوع کو بعنوان حق جانا اور سمجھا ہے اور اسے سلب کرنے کو ظلم گردانا ہے۔(24)

پس عرف وہ اصلی عنصر ہے جو وقت اور معاشرے کی واقعیات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ فقط عرف رائج کے ساتھ قریبی رابطہ ہی ہے جس پر فقہاء اپنے اجتہاد کی بنیادیں استوار کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جو چیز سودمند اور مفید ہے یا وہ مال ہے یا حق ہے، یہ موضوع کی تشخیص سے متعلق ہے جس کی ذمہ داری مکلّف پر ہے یہ نہ نبی کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی امام اور فقیہ کی۔ بلکہ اصولی طور پر فقہی احکام کی دو بنیادی شرائط ہیں۔

ا۔ کلی ہیں ۲۔ شرطی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی موضوع پر منطبق ہوتے ہیں تو حکم جاری ہوجاتا ہے اور اس پر تمام فقہاء کا اتفاق نظر ہے۔ اس کے باوجود بہت سارے مقامات پر فقہاء موضوعات کے متعلق بھی اظہار نظر فرماتے ہیں جو کہ فقہ کے دائرہ کار سے باہر ہے۔۔۔ مصادیق، حق، مال، عادل ہونا، ظلم، جواء، ملکیت، بیع، ہتک وغیرہ کا معین اور مشخص کرنا فقیہ کے اختیارات میں نہیں آتا۔ اس کی ذمہ داری مکلفین کے اوپر ہے۔ بعض موارد میں فقہاء کا اظہار رائے کرنا قابل احترام ماہرین کی گواہی کے عنوان سے ہوتا ہے۔ کلی طور پر ان امور میں خود فقہاء کو بھی عرف کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ بعض مواقع پر فقہاء کی طرف سے جو احکام صادر ہوں ان پر عرف کی

طرف سے اعتراضات کیے جائیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے تحت شعور میں اس موضوع کو جس پر حکم لگا رہا ہے، حکم کے دائرے سے خارج سمجھے، لیکن فقیہ نے اُسے موضوع کے دائرے میں اندر سمجھ کر اس پر حکم لگایا ہو۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: کتاب و سنت میں بیان شدہ شرعی احکام اور عملی فرائض عمومی اور معمول کی ذہنی سطح اور سادہ انداز میں ہیں اور لوگوں میں سے ہر شخص ان کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے ایک فقیہ پر لازمی ہے کہ روز مرہ کے محاورات سے مانوس ہوں اور ان مسائل سے آگاہ ہو جو عرف میں رائج ہیں اور عقلی و فلسفی مسائل اور بازاری باتوں سے اجتناب کرے۔ سچ یہ ہے کہ ہم بزرگوں کی ایسی غلطیوں کو جانتے ہیں جو عرف اور عام لوگوں کے محاورات اور ثقافت سے دوری کی وجہ سے واقع ہوئیں۔ (25)

بعض افراد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عرف اور سیرت عقلاء پر شارع کی طرف سے مہر تصدیق ثبت ہونی چاہیے اور جتنی عرف کی تصدیق ہوئی ہے اتنا ہی وہ حجیت رکھتا ہے۔ لہٰذا جدید عرف کے بارے میں شارع کی طرف سے نہ ہی تصدیق اور تائید اور نہ ہی رد اور ممنوعیت صادر ہوئی ہے۔ (26) جبکہ بعض دیگر فقہاء عرف اور سیرت عقلاء کو جیسا بھی ہو اُسے معتبر جانتے ہیں اور ان کی رائے اور نظریہ، یہ ہے کہ آراء محمودہ (عرف کے پسندیدہ اور قابل قبول امور) تادیبات صلاحیہ کے بارے میں فارابی اور بوعلی سینا کے دور سے لے کر اب تک تفصیل سے بحث ہو چکی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ عقلاء بحیثیت عقلاء مذہب، جذبات، عادات اور رسوم سے قطع نظر بعض امور کے بارے میں کہتے ہیں "نہیں ہونا چاہیں" عقلاء کے اس حکم کا سرچشمہ ان کی فطرت ہے (کل مولود یولد علی الفطرۃ) اور یہ فطرت اللہ تعالیٰ کے ارادہ تکوینی کا معلول ہے (فطرۃ اللہِ الّتی فَطَرَ النَّاسِ عَلَيْها) اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ تشریعی اس کے ارادہ تکوینی کے مخالف نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جہاں فطرت کہتی ہے باید یعنی ہونا چاہیے تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ تشریعی بھی "باید" کہتا ہے لہٰذا کہا جاسکتا ہے "کلما حکم به العقل، حکم به الشرع" (27) یعنی: جہاں پر عقل کوئی حکم دیتی ہے وہیں شریعت کا بھی حکم ہوتا ہے۔

مالکیت کی ایک لحاظ سے دو قسمیں ہیں: ذاتی و تکوینی مالکیت اور عارضی و اعتباری مالکیت۔ اعتباری مالکیت بیرونی عوامل (انسان کی ذات سے ہٹ کر) کے ذریعے حاصل ہوتی ہے انسان اور بیرونی (ذات انسان کے علاوہ) اشیاء کے درمیان عقلاء ایک تعلق اور رابطہ کو معتبر سمجھتے ہیں اس بنا پر مالک اور مملوک کے درمیان ایک حقیقی و ذاتی تعلق اور رابطہ موجود نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں تکوینی یا حقیقی مالکیت میں تعلق اور ربط کسی کے مقرر کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا ذاتی جوہر اور خاصیت ہوتی ہے۔

جیسا کہ انسان اپنے اعضاء وجوارح کا مالک ہوتا ہے انسان کی اپنے پاؤں یا ہاتھ پر ملکیت اعتباری (کسی کے مقرر کرنے سے) نہیں بلکہ ذاتی ہے اور خود بخود ہے۔ دوسری طرف وہ کام جو اعضاء و جوارح انجام دیتے ہیں اور ان کے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں خواہ وہ دستی ہوں یا فکری یا انسان کی تخلیق و ایجادات، یہ کوئی مصنوعی یا جعلی و بناوٹی نہیں، بلکہ ایک امر ذاتی و تکوینی ہے فطر اور خمیر انسانی لازمی طور پر اس کا حکم لگاتے ہیں کہ اس کا تعلق اسی انسان کے ساتھ ہے۔ کیونکہ انسان اپنے اعمال اور نفس پر مسلط ہے اس بنا پر جو شخص کوئی کتاب تالیف کرتا یہ تحریر اس کے فکر و عمل کا نتیجہ ہے اور اس کی مملوک ہے اور اس کے زیر قبضہ و کنٹرول ہے۔ پس اس کا حق ہے کہ دوسروں کو اس کے تصرف سے روکے۔ اس بارے میں روایت منقول ہے جس کے مطابق امام زمان علیہ السلام توقیع شریف میں فرماتے ہیں: فلا یحل لاَحَدٍ ان یتصرف من مال غیرہ بغیر اذنہ" (28) کسی کے لئے حلال اور جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے۔

البتہ اس طرز استدلال (مالکیت تکوینی کی بنیاد پر انسان کے حقوق معنوی کی ملکیت پر استدلال) پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ مالکیت محدود ہے اس وقت تک انسان اپنے اعضاء اور اعمال کا مالک ہے جب تک وہ اس سے جدا نہ ہوں، جب انسان سے علیحدہ ہوگئے تو بیرونی اشیاء میں شمار ہوتے ہیں اگرچہ ان کا طریقہ اور روش عقلاء کے قرار دینے سے ہی کیوں نہ ہو۔

بعض علماء نے معنوی خسارے و نقصان کے ازالے کے لازمی ہونے (اور ان حقوق کے معتبر ہونے پر بطریق اولی) پر " قاعدہ لاضرر" کو اہم ترین دلیل قرار دیا ہے۔
اس قاعدے کے فقہی دلائل آیات اور روایات کی شکل میں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے بعض کے صادر ہونے کی وجہ اور سبب صرف مادی ضرر ہے۔ مثال کے طور پر عقبہ بن خالد کی روایت ہے جو اس نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشترکہ زمین اور گھروں میں شریک افراد کے درمیان شفعہ کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے "لاضرر ولا ضرار فی الاسلام" اور فرمایا: جب تقسیم انجام پاجائے تو پھر شفعہ کا حق نہیں ہے۔ (29) لیکن بعض ادلہ کا شان صدور معنوی اور مادی ضرر باہم ہے۔ جیسا کہ حسن بن زیاد کی امام صادق علیہ السلام سے منقولہ روایت ہے: کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق دے اور پھر دِلی رغبت کے بغیر رجوع کرے، دوبارہ پھر طلاق دے یہ وہی ضرر ہے جس نے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ طلاق کے بعد اُسے بسانے اور گھر آباد کرنے کے لئے اس سے رجوع کرے۔ (30)
اس روایت میں دِلی رغبت کے بغیر مرد کا رجوع کرنا عورت پر نفسیاتی دباؤ ہے لہٰذا اسے معنوی نقصان اور خسارہ شمار کیا گیا اور ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ جب اس سے رجوع نہیں کیا جائے گا تو اسے حق مہر ادا کرنا پڑے گا صرف اس بچنے کے لئے رجوع کیا جائے گا تو یہ عورت کا مادی نقصان ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں چیزیں مدِّ نظر ہوں اس طرح سے معنوی اور مادی دونوں نقصان شمار ہوں گے۔
البتہ بعض مستند روایات کے صادر ہونے کا پس منظر صرف اور صرف معنوی خسارہ ہے۔ لیکن ان کی دلالت، مادی اور معنوی خسارے سے اہم ہے یعنی دونوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ سمرہ بن جندب کے واقعہ سے متعلق روایت ہے۔ کم از کم اس روایت کے مستفیض ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں آیا ہے کہ سمرہ بن جندب کا ایک درخت ہمسائے کے گھر میں تھا اور یہ درخت کے بہانے وقت بے وقت اس کے گھر میں آجاتا تھا۔ آخر میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اکھاڑنے کا حکم دے دیا۔ (31)
اس بارے میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی کے درخت کا گھر میں ہونا اس کی مالیت میں کمی کا سبب بنتا ہے اسی لئے اس قسم کی روایات معنوی اور مادی دونوں قسم کے نقصان اور خسارے کے متعلق ہیں۔ لیکن توجہ کرنا چاہیے کہ روایت بغیر اجازت کے گھر میں داخل ہونے کی بات کر رہی ہے جو کہ معنوی نقصان ہے جس کی روایت میں نفی کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے ہماری رائے یہ ہے کہ جس واقعہ کے بارے میں یہ روایت ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ صرف حق معنوی جو کہ گھر کے ماحول کا محفوظ ہونا ہے، کے بارے میں بیان ہوئی ہے لہٰذا اسلامی قوانین بنانے والا نہ صرف یہ کہ وہ اس معنوی حق سے غافل نہیں تھا بلکہ اس نے مادی نقصان جو سمرہ کو درخت اکھاڑنے سے ہوا، اس پر معنوی حق کو ترجیح دی اور اسے لاگو کیا۔ (32)
مذکورہ دلائل کے علاوہ بعض علماء نے حیازت کے فقہی حکم سے بھی اپنے مزاج کے مطابق نتائج اخذ کیے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص بیابان سے جنگلی جڑی بوٹیاں اکٹھی کرتا ہے تو وہ ان کا مالک بن جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی بنجر زمین کو آباد کرتا تو وہ اس کا مالک جاتا ہے۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ فکری تخلیق و ایجادات بھی ایک قسم کی حیازت اور بنجر زمین کو آباد کرنا ہے انسان کا ذہن بھی غیر آباد زمین کی طرح ہے جسے تعلیم و تربیت کے ذریعے آباد اور زندہ کیا جاسکتا ہے، اور اس کی استعداد کو عملی صورت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے وہ اشخاص جو اپنے ذہن کی صلاحیتوں کو پروان چرھاتے ہیں اور نشوونما کرتے ہیں وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو مردہ اور بنجر زمین کو آباد اور زرخیز بنادیتے ہیں، فقط وہی افراد ہی اس کے ثمرات سے بہرہ مند ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ وہ افراد جو اعلیٰ درجے کی ذہانت کے حامل ہیں ان کے اخلاق ذہن کو فکری تخلیق اور ایجادات میں زیادہ کوشش بھی نہیں کرنا پڑتی، یہ ایک نعمت اور تحفہ الٰہی ہے جو صرف ان کی دسترس میں ہے وہ اس کے ثمرات اور فوائد کو سمیٹ کر حیازت کر سکتے ہیں۔

فکری حقوق کے شرعی ہونے کی دلائل کو بیان کرنے کے بعد اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ آج کی دنیا میں یہ حقوق انسان کے اہم ترین حقوق کے عنوان سے پہنچانے جاتے ہیں جو مختلف پہلوؤں سے استعمال کیے گئے۔ علمی، ادبی، فنی کتب کے مؤلفین اور مصنفین، سوفٹ وئرز کے بنانے والوں انٹرنیٹ سروس کے پروگرامز بنانے والوں، ایجادات، نئی نئی مشینری بنانے والوں کے حقوق سب کے سب اس عظیم خداداد حق ہی کے مصادیق ہیں۔ لہٰذا ان حقوق کو قانونی حیثیت دینے سے اور بین الاقوامی کنونشنوں سے وابستہ ہونا در حقیقت انسانی عقلوں کا احترام ہے اور انسان کو عزت و اکرام اور اہمیت دینے کے مترادف ہے۔ فقہاء کے برخلاف قانون دانوں اور قانونی ماہرین کے درمیان مالکیت فکری کے قانونی ہونے میں کوئی خاص اختلاف نہیں پایا جاتا تقریباً وہ سب اس قسم کی مالکیت پر متفق نظر آتے ہیں۔ اگرچہ فکری اور معنوی حقوق کی تعاریف میں کچھ اختلاف ضرور نظر آتا ہے۔ بیان شدہ تمام تعاریف میں تحقیق اور غور وفکر سے جامع ترین تعریف یوں پیش کی جاسکتی ہے فکری یا معنوی حق وہ حق ہے جو عینی اور ذمی حق کے علاوہ ہے بلکہ ایک غیر مادی خصوصیت (مزیت) ہے جو کسی چیز کو وجود میں لانے والے سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی حمایت میں پیش نظر رکھی جاتی ہے اور جو اس کے مالک کو اپنے فکری فعالیت اور نوآوری میں تصرف اور استفادہ کا پورا اختیار دیتی ہے۔ اس کی قانونی تعریف اور حقوق کے مشروعیت کے دلائل کے واضح ہونے کے بعد اب ہم فکری فعالیت اور اس کی پیداوار کے خصوصیات، شرائط اور ان پر مترتب ہونے والے مادی اور معنوی حقوق کو ذکر کرتے ہیں۔

الف خصوصیات

1۔ تخلیق کا مجسم ہونا

مسلم بات ہے کہ افکار و نظریات جب تک ذہن سے باہر نہ آئیں۔ محسوس شکل و صورت اختیار نہ کریں ان کی حمایت اور انہیں قبول نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے الفاظ میں کوئی بھی تخلیق اس وقت قانونی حمایت کے دائرے میں آتی ہے جب وہ کسی شکل و صورت میں مجسم ہو اور اس کے خالق کی شخصیت کسی طرح سے اس میں تجلی کر رہی ہو، فکر کا مجسم ہونا عملی سرمائے سے تعلق رکھتا ہے اور سب اس سے مستفید ہوں۔ جو چیز فنکار، ہنر مند، مؤلف یا موجد سے متعلق ہے وہ بیان کرنے کا طریقہ یا ذاتی افکار یا دوسروں کے افکار پیش کرنے کا انداز ہے۔

2۔اصلی اور حقیقی ہو

وہ تخلیق حمایت کے قابل ہے جو اصلی ہو اور نوآور ہو اس معنی میں کہ وہ اس کے خالق کی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہو اور اس کے افکار کو منعکس کرنے والا ہو۔ البتہ وہ اثر جدید ہو یہ شرط نہیں ہے۔ (33)

3۔مالکیت

یہ بات قابل توجہ ہے کہ صرف تخلیق کا قابل معاوضہ اور اقتصادی اہمیت کا حامل ہونا اس کی ملکیت ہونے کا معیار نہیں ہے بلکہ معاشرے میں اس کا کردار اس کا معاشرتی نظم وضبط اور اخلاق حسنہ سے مطابقت رکھنا بھی ضروری ہے پھر قانونی حمایت اور تحفظ بھی اسے حاصل ہونا چاہیے۔

4۔مادی حقوق

مادی حقوق سے مراد اس کسی موجد کی ایجاد یا تخلیق میں ایسا تصرف اور اس کو یوں استعمال کرنا ہے کہ جس سے کوئی مالی استفادہ حاصل ہوتا ہو۔

مادی حقوق کی خصوصیات

1۔ نقل وانتقال کے قابل ہوتا ہے۔ یہ انتقال دو صورتوں میں واقع ہوتا ہے۔

الف: اختیاری انتقال جو خود تین شکلوں میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔

(i) خود موجد یا پروڈیوسر کی طرف سے کسی دوسرے شخص کے سپرد کردے

(ii) کسی صاحب منصب اور اختیار کے کہنے پر وہ پروڈکشن (تخلیق) تیار کی گئی ہو۔

اس صورت میں ایک معین مدت تک اس کے حقوق اس کو تیار کروانے یا حکم دین والے سے متعلق رہیں گے۔

(iii) وصیت کے ذریعے جس میں کوئی شخص اپنے مال میں تیسرے حصے کی وصیت کرتا ہے وہ اپنے فکری حقوق میں سے کسی حق کو کسی اور شخص کی ملکیت قرار دیتا ہے۔

ب: خود بخود یا جبراً انتقال: یہ بھی دو صورتوں میں انجام پاتا ہے۔

(i) فکری حقوق کے حامل شخص کے فوت ہونے سے یہ حقوق اس کے وارثوں یا اس کے قانونی نائبکی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

(ii) وقف کرنے اور اجرت وظیفہ کے مطالبہ پر یہ حقوق دوسروں کی طرف خود بخود منتقل ہو جائیں گے البتہ جب تک وہ علمی کاوش پرنٹ نہ ہو جائے اور لوگوں کی دسترس میں نہ ہو تو اس وقت مادی حقوق کا وقف کرنا یا پورا کرنا کوئی معنی نہیں بنتا۔ کیونکہ ابھی تک مالی حقوق وجود میں ہی نہیں آئے اگرچہ ذاتی طور پر اس کی بہت زیادہ اہمیت ہی کیوں نہ ہو اس بات پر بھی توجہ رہے کہ اجرت کے تقاضے یا وقف کرنے سے موجد یا مصنف و محقق پر یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ اسے پرنٹ کرائے اور پھر حقدار اس سے اپنے مالی حقوق کے پورا کرنے کا مطالبہ کریں۔

(iii) عارضی (Temprary) ہونا

مادی حقوق کی دوسری خصوصیت ان کا مقررہ وقت تک محدود ہونا ہے جس کا تعلق ہر ملک کے قانون سے ہے مثلاً انگلستان اور ایران کے قانون میں ایجادات اور علمی آثار کا خصوصی حق زیادہ سے زیادہ بیس سال تک مقرر کیا گیا ہے جبکہ امریکہ کے قانون میں اس کی مدت سترہ سالم معین کی گئی ہے۔ مادی حقوق کا عارضی (موقت) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ادب علم و ہنر اور سائنس وغیرہ کی تخلیق اور ایجادات عام لوگوں کے استفادے اور فائدے کے لئے وجود میں آئی ہیں اور وہ تمام معاشرے کے ادبی و ہنری تخلیقات اور سرمایہ قرار پاتے ہیں۔ اس بنا پر ایک مدت کے بعد مادی حقوق معاشرے کے حقوق کے مفاد میں ساقط (ختم) ہو جائیں اور اس سے سب بطور یکساں مستفید ہوں۔ مادی حقوق کی درج ذیل اقسام ہیں۔

- چھاپنے اور تعداد بڑھانے کا حق
- ترجمہ کرنے کا حق
- خلاصہ کرنے، تبدیلی کرنے اور اقتباس لینے کا حق
- مارکیٹ میں لانے اور جاری کرنے کا حق
- معاوضے اور قیمت سے استفادہ کرنے کا حق
- نگرانی کرنے کا حق

موجد کے معنوی حقوق

ا۔ان کا تعلق انسان کی ذات سے ہوتا ہے۔ اس کے منصب یا ذمہ داری سے نہیں ہوتا ہے (مثلاً کوئی کس ادارے کا صدر ہے تو یہ اس کا تعلق اس کی صدارت سے نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقی شخصیت سے ہوتا ہے) ممکن ہے کسی ادبی فن پارے یا فن و ہنر کے شاہکار کا خالق ایک شخص ہو یا چند افراد ہوں لیکن ایک قانونی شخصیت کبھی بھی خالق اور موجد نہیں ہو سکتی اگرچہ اس فن پارے کے فوائد سے بہرہ مند ہونے والوں میں

یہ بھی شامل ہو۔ لہٰذا معنوی ملکیت معنوی حقوق کے حامل ہونے کے اعتبار سے ایک مجموعہ کے عنوان سے کسی دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے بلکہ ہمیشہ اس کے خالق کے نام سے پہچانا جائے گا۔

۲۔ ناقابل انتقال ہونا

کسی معاہدہ کے تحت اس تخلیق (علمی پروڈکشن) کے یہ حقوق یعنی معنوی حقوق کسی دوسرے شخص یا صاحب منصب کو منتقل نہیں ہو سکتے۔ اس کی وجہ بھی ان حقوق کی ماہیت اور طبیعت میں موجود ہے جس کی بناء پر یہ حقوق غیر کے سپرد نہیں کیے جا سکتے۔ وارث اگرچہ اس حق پر عملدرآمد کر سکتے ہیں۔ لیکن اصلی حق اس کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے جس طرح مصنف اپنی تحریر یا کتاب کو بالکل تبدیل کر سکتا ہے۔ گذشتہ نظریات کے برعکس نظریات پیش کر سکتا ہے یا انہیں ختم کر سکتا ہے اس قسم کا اختیار اور حق اس کے لواحقین کو حاصل نہیں ہوتا۔

۳۔ دائمی ہونا

محقق یا موجد (پروڈیوسر) کے معنوی حقوق زمان اور مکان میں محدود نہیں ہوتے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم نہیں ہو جاتے اس بناپر ایران کی قوت مقنّنہ نے مادی حقوق کی حمایت اور مدد کو ان چیزوں سے مختص کیا گیا ہے۔ جو پہلی بار ایران میں چھپی ہوں لیکن معنوی حقوق کے حوالے سے تمام تخلیق شدہ اشیاء کے بارے میں مکمل طور پر مدد اور حمایت پر تاکید کرتا ہے اور ان کے پائمال ہونے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

معنوی حقوق کی اقسام

- پہلی مرتبہ اشاعت کا حق
- کتاب یا دیگر ادبی چیزوں کا مؤلف سے منسوب کرنے کا حق۔
- تفسیر و تبدل کی صورت میں اقدام کرنے یا اسے ممنوع قرار دینے کا حق

اب اسلامی جمہوریہ ایران صنعتی ملکیت سے مربوط حقوق کے بارے میں معنوی ملکیت کے عالمی ادارہ کے پاریس کنونشن سے ملحق ہو گیا ہے اور اس الحاق کی 1377ھ ش میں شورای نگہبان منظوری بھی دے چکا ہے، لیکن ادبی اور ہنری ملکیت سے متعلق حقوق، فقہاکے فتاویٰ میں اختلاف کے باوجود، ملک کے اندر یہ رواج پا چکے ہیں اور ملک میں لازم الاجرا قوانین وجود رکھتے ہیں کہ جن کا تعلق انقلاب سے پہلے ہے۔ لیکن بین الاقوامی لحاظ سے ایران ابھی تک برن کنونشن کا حصہ نہیں بنا ہے۔ ایران کا اس کنونشن کا حصہ نہ بننا اس بات کی وجہ بنی ہے کہ اندرونی مصنفین، مترجمین اور محققین آزادانہ اور بغیر کسی بھی قیمت کے یا اصلی مصنف کی اجازت کے بغیر کسی بھی تصنیف کو چاہے لکھی ہوئی ہو، الیکٹرونک ہو یا پھر کمپیوٹرائزڈ ہو میں اضافہ، اقتباس، تحریف یا حتی کہ اپنے نام سے ترجمہ اور اشاعت کریں اور البتہ دوسرے ممالک کے بہت سے لوگ بھی ہماری قیمتی علمی، ادبی، ہنری اور تحقیقاتی تصانیف کا اسی انداز سے استعمال کر رہے ہیں کہ جس کے لئے کئی بار پبلک جلسوں میں اس کے ذمہ دار افراد کی سرزنش بھی کی گئی ہے۔ اس کنونشن سے عدم الحاق کی وجہ اس استفتا کا جواب ہے جو اس وقت کے وزیر فرہنگ و ارشاد اسلامی نے مقام معظم رہبری سے کیا ہے۔ جو اس صورت میں تھا:

''اکثر ممالک نے مؤلف کے حق کے بارے میں قومی قانون رکھنے کے علاوہ ایک دوسرے کے ساتھ بین الاقوامی معاہدوں کی شکل میں یہ تعہد دیا ہے کہ دوسروں ممالک کے شہریوں کے علمی، ادبی اور ہنری کاموں سے اپنے شہریوں کے فائدہ اُٹھانے اور استفادہ کرنے کی صورت میں اُن کے حقوق کی رعایت کریں گے۔ کیا جمہوری اسلامی ایران کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ بھی دوسرے ممالک کے ساتھ اس دو طرفہ معاہدے کو قبول کرلے؟ رہبر معظم انقلاب نے اس کے جواب میں لکھا ہے: ملک کے اندر مؤلفین اور مصنفین کا حق التالیف (Copy

(Right)ایک منطقی اور شرعی چیز ہے۔ لیکن اس حق (Copy Right) کے بارے میں دوسرے ممالک کے ساتھ معاہدہ منعقد کرنا میں فی الحال مفید اور مصلحت نہیں سمجھتا، بلکہ نقصان دہ اور خلاف مصلحت جانتا ہوں۔" (34)

رہبر معظم کی جانب سے مذکورہ مسئلے کے بارے میں اس سوال اور تمام دوسرے سوالات کے جواب سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ بھی ان حقوق کو عقلاً و شرعاً جائز سمجھتے ہیں اور ان کی رعایت کرنے کو ضروری جانتے ہیں، لیکن (اس سلسلے میں) دوسرے ممالک کے ساتھ معاہدے کو عدم مصلحت کی وجہ سے جائز نہیں جانتے۔ درحقیقت تمام ممالک کے بارے میں ان حقوق کی رعایت کے مشروع ہونے کے حکم شرعی کو معظم لہ نے موقتاً حکم ثانوی کے طور پر ترک کیا ہے کہ جو ان کے اختیارات میں سے ہے۔ جس کی وجہ بھی واضح ہے۔ کیونکہ ہمارا ملک فی الحال ترقی پذیر ہے اور ترقی یافتہ ممالک کے علمی میدان میں حاصل ہونے والی نت نئی تحقیقات کا محتاج ہے اور دوسری جانب بڑی طاقتوں کی پوشیدہ اور آشکارا دشمنیوں کی وجہ سے اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ ایران کے مذکورہ بالا کنونشن کے ساتھ الحاق کی صورت میں ہمارے دانشوروں اور محققین کو علمی کتابوں، سافٹ ویئرز اور انٹرنیٹ سے علمی معلومات لینے میں کسی قسم کی مشکل پیش نہیں آئے گی اور وہ معلومات آسانی کے ساتھ اور معمولی اخراجات کے ساتھ ہمارے حوالے کی جائیں گی۔ لہٰذا رہبر معظم اس مسئلے کے شرعی پہلوؤں کو مدّ نظر رکھنے کے باوجود عدم الحاق کی وجہ سے ہونے والے اخراجات کو زیادہ قابل تحمل سمجھتے ہیں اور دوسری جاب ملک کے اندر کام کرنے والے محققین اور مصنفین کی حمایت کرتے ہوئے ان حقوق کو رسمی حیثیت دی گئی ہے تاکہ ان (حقوق) کے محدود ہونے کی وجہ سے محنت کرنے والے ان لوگوں کے لئے کسی قسم کی تشویق پیدا نہ ہو۔

*****

حوالہ جات

1۔ کیوان آذری، حقوق معنوی پدید آورندہ، نشریہ دانشکدہ حقوق وعلوم سیاسی دانشگاہ تہران، شمارہ 22، ص 4 و 5

2۔ علی بن حسین مسعودی مروج الذہب والمعادن الجواہر بیروت دار الاندلس 1385ھ.ق 1965م، ج 1، ص 27

3۔ دکتر سید حسن امامی، حقوق مدنی، ج 1، ص 25

4۔ دکتر ابوالقاسم گرجی، مشروعیت حق، با تاکید بر حق معنوی، ص 122

5۔ دکتر محمد جعفر لنگرودی، ترمینولوژی، حقوق تہران، گنج دانش، 1378، ص 599

6۔ سید محمد کاظم یزدی، حاشیہ بر مکاسب ج 2، ص 53

7۔ امام خمینی (رہ)، کتاب بیع، ج 1، ص 25، ان الملکیہ اعتبار عقلائي من احکامہا السلطنہ علی التقلیب والتقلب

8۔ دکتر محمد جعفر لنگرودی، ترمینولوژی حقوق، تہران، گنج دانش، 1378، ص 227، با کمی تصرف

9۔ دکتر سید حسین صفائي، حقوق مالکیت ادبی و بررسی قانون ح ح م م وہ، نشریہ دانشکدہ حقوق وعلوم سیاسی دانشگاہ تہران، شمارہ 6، ص 56

10۔ دکتر ناصر کاتوزیان، حقوق مدنی، اصول مالکیت، تہران، دادگستری یزان، 1378، ص 9

11۔ امام خمینی (رہ)، تحریر الوسیلہ، قم، دار المکتبہ العلمیہ، 1408، ج 2، صص 625 و 626۔

12۔ لطف اللہ صافی، فصلنامہ رہنمون، مدرسہ عالی شہید مطہری، شمارہ 2 و 3، صص 207-209

13۔ مرتضی مطہری، نظری بہ نظام اقتصادی اسلام، صدرا، 1370 ش، صص 58 و 59

14۔ ایضاً، ص 146

15۔ سید محمد صادق روحانی، المسائل المستحدثۃ، قم دار الکتاب 1414ھ ق، ص 225

16۔ بقرہ، آیہ 159

17۔ نوادر راوندی، عوالی اللئالی، ج 4، ص 71، مسند احمد بن حنبل ج 2، ص 499، بہ نقل از فصلنامہ کتاب ہای اسلامی، مقالہ حق مولف در اندیشہ ہای فقہای معاصر امامیہ، عباس یزدانی، ص 50

18۔ سید محمد باقر صدر، اقتصادنا، بیروت، ص 433

19۔ آیت اللہ سید محمد موسوی بجنوردی، میز گرد روز نامہ ہمشہری پیرامون کپی رایت، 24 آبان 1373 با تصرف

20۔ آیت اللہ سید محمد موسوی بجنوردی، فصلنامہ رہنمون، مدرسہ عالی شہید مطہری، شمارہ 2 و 3، 1371، ص 211

21۔ شیخ انصاری، مطارح الانظار، صص 150 و 151

22۔ آیت اللہ جعفر سبحانی، فصلنامہ رہنمون، مدرسہ عالی شہید مطہری، شمارہ 2 و 3، 1371، ص 207

23۔ آیت اللہ فاضل لنکرانی، ایضاً ص 210

24۔ آیت اللہ مکارم شیرازی، ایضاً ص 211

25۔ عباس یزدانی، حق مولف در اندیشہ ہای فقہای معاصر امامیہ، فصلنامہ کتاب ہای اسلامی، شمارہ 9، 1381، ص 40

26۔ آیت اللہ جعفر سبحانی، تہذیب الاحکام، ص 510

27۔ آیت اللہ سید محمد موسوی بجنوردی، فصلنامہ رہنمون، مدرسہ عالی شہید مطہری، شمارہ 2 و 3، 1371، ص 212

28۔ دکتر مرتضی چیت سازیان، رسالہ دکترا در موضوع حقوق مالکیت ہای فکری، دانشکدہ الہیات، دانشگاہ تہران، 1375

29۔ محمد بن یعقوب کلینی، فروع کافی، کتاب شفعہ، باب 5

30۔ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، باب 24 از ابواب اقسام طلاق کتاب طلاق

31۔ ہمان، باب 12 کتاب احیاء موات

32۔ دکتر سید ابوالقاسم نقیبی، فصلنامہ کتاب ہای اسلامی، شمارہ 9، 1381، ص 13 و 14

33 ۔ دکتر سید حسین صفایی، مالکیت ہای ادبی- ہنری نشریہ دانشکدہ حقوق وعلوم سیاسی دانشگاہ تہران، شمارہ 7، ص 116

34 ۔ پاسخ دفتر مقام معظم رہبری بہ نامہ وزیر ارشاد کہ حاوی فتوای معظم لہ بود. 1373/10/2 بہ نقل از دکتر مرتضی چیت سازیان رسالہ دکترا در موضوع حقوق مالکیت ہای فکری دانشکدہ الہیات، دانشگاہ تہران، 1375 ش